ڈاکٹر انوار احمد، صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
ڈاکٹر روبینہ رفیق، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

عملی تحقیق کے لئے ایک مشق بحوالہ نظیر اکبر آبادی

Dr. Anwaar Ahmad, Chairman, National Language Athority, Islamabad
Dr. Rubeena Rafiq, Jamia Islamia, Bahawalpur

A Hypothesis with Reference to Nazir Akbar Abadi for Research

This research paper has been designed as a lesson/excercise for research students of M.phil/Ph.D.It is based upon a hypothesis that Nazeer Akbar Abadi[1735.1830] was a secular poet.Main arguments for this hypothesis are: (a) Teaching a profession and passion for the poet.(b) Enjoying to live and communicate with commonner.(c)Epicurean attitude of poet tinged with the sorrow of short lived life.Some aspects has been suggested for further research too.

(تمہید: اردو تحقیق کے سنجیدہ طالب علموں کا اضطراب ان چار نکات پر مرکوز ہے: تحقیق اور تنقید کا تعلق: ادبی تنقید کا سماجی علوم سے تعلق: موضوعاتِ تحقیق کی تلاش: عملی تحقیق کے لئے مواد کی فراہمی، چوتھے نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اگر اساتذہ عملی تحقیق کے کچھ 'اسباق' تیار کریں، تو پہلے تین سے متعلق بھی تشنگی کا ازالہ ہوسکتا ہے)

۲۰۰۸ء میں اردو کے ایک پاکستانی استاد کو غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی سے ایک سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ ملا، جو نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵۔۱۸۳۰) کے حوالے سے منعقد ہو رہا تھا، منتظمین نے مقالات کے لئے جو ذیلی عنوانات تجویز کئے تھے، وہ دو درجن سے زیادہ تھے۔ (مقالات کی تکرار سے بچنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے) اس استاد کو اپنی طبیعت اور ذوق کی مناسبت سے یہ عنوان غیر معمولی اور فکر انگیز نظر آیا، ''نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا سیکولر مزاج''، اسی برس (۲۶ نومبر) ممبئی میں متشدد حملے اور ایک پاکستانی اجمل قصاب کے پکڑے جانے کے سبب بھارتی رائے عامہ میں جو تناؤ پیدا ہوا، اُس کے پیشِ نظر سیمینار کی ''سیکولر'' انتظامیہ نے گھبراہٹ میں پاکستانی شرکا کو نہ آنے کا مشورہ دیا، اور یوں اس موضوع سے متعلق نکات، مقالے کی صورت میں نہ ڈھل سکے کہ اپنے شاگردوں کو انتباہ رنصیحت کے باوجود استادِ محترم کو خود آخری وقت میں مقالہ لکھنے کی عادت ہے، پھر اس استاد کو دو برس تک اوسا کا یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ فار ورلڈ لینگوایجز کے شعبہ اردو میں پڑھانے کا موقعہ ملا، واپسی سے دو ہفتے قبل کاغذات کی ورق گردانی کے دوران یہ دعوت نامہ سامنے آیا، تو بجائے روایتی مقالہ لکھنے کے، تحقیق کے طالب علموں سے ہم کلامی کا یہ حیلہ اور طریقہ وضع کیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو اس موضوع کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے چار سوالات تشکیل

دیئے گئے :ا۔سیکولر مزاج کیا ہے؟، بھارتی معاشرے کواس حوالے سے جو چیلنج درپیش ہیں،ان میں ایسے موضوعات کی حیثیت رسمی اور نمائشی ہے یا عوامی سطح پر مقبول بعض شاعر، تنگ نظری اور تھڑ دلی کی قوتوں کے مقابل ثقافتی حصار بنا سکنے والے عوامل کو ابھار سکتے ہیں؟ اور خود پاکستان میں جو مذہبی فاشزم (خود کو خدا کا مقرب خیال کر کے دیگر انسانوں کو حقیر خیال کرنا) کا، شکار ہے، اس موضوع پر غور وفکر کرنا کتنا اہم ہے؟ ۲۔ بے شک سیکولر کی اصطلاح نظیر کے زمانے میں مروّج اور مانوس نہ تھی (جیسے' فلاسفی' مگر مرتبین نے نظیر کی معروف نظموں کے عنوانات میں اس کا اضافہ کر دیا ہے، آدمی کی فلاسفی، روٹی کی فلاسفی، مفلسی کی فلاسفی۔۔۔) تو کیا واقعی نظیر کا مزاج سیکولر ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے، کیونکہ اس کی تخلیقات اس کی گواہی دیتی ہیں اور جن لوگوں کو اس کے مصرعے، بند اور نظمیں یاد ہیں اور وہ جھومتے ہیں اور نظیر کی آزاد منش اور وسیع الظرف شخصیت کا ایک نقش ابھر آتا ہے، نظیر کی شاعری سے پاکستان میں 'صالحین' کا خائف رہنا بھی توثیق کرتا ہے کہ اس کی شاعری کا بنیادی حوالہ اس کا سیکولر ہونا ہے؟ ۳۔ اگر نظیر سیکولر (آزاد مشرب، کشادہ دل، روادار) ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ کیا اس کا معلم ہونا؟

برِ صغیر کے شاگردوں اور لوگوں کی یادداشت میں نقش بڑے استاد وہی ہیں جو اپنے مذہب اور مسلک میں تنگ رونہ تھے۔ یا پھر معلّمی سے زیادہ نظیر کے اس رویے کا سبب اس کی 'نشاط جوئی' ہے، جس کی تسکین کے مواقع اس کے اپنے مذہبی تہواروں تک میں کم تھے، حالانکہ مذہبی تہواروں کی ثقافتی اپیل اور سرگرمی تقدیس میں نشاط انگیزی کی مرہونِ منّت ہوتی ہے۔ ۴۔ بھارت اور پاکستانی معاشرے کے ساتھ ساتھ ان کی جامعات اور علمی وادبی اداروں اور جرائد کا نظیر کی پذیرائی کے حوالے سے کوئی نمایاں فرق ہے؟

اب اگر کوئی مبتدی ہو، تو پہلے سوال کے جواب میں انسائیکلوپیڈیا، لغات اور سیاسیات کی کتب سے درجنوں حوالے تلاش کر کے پہلے ''سیکولر'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفیں جمع کر کے اپنے مخاطب کو مرعوب مگر اپنی تحریر سے بے زار کر دے، حالانکہ اس کی بجائے اسے یہ جاننا چاہیئے کہ 'سیکولر' کا مطلب 'لا دین' ہونا نہیں، 'غیر مذہبی' ہونا ہے، یعنی اپنے عقائد کو کسی اور پر مسلط کرنے کو اپنا حق یا فرض سمجھنا سیکولرازم کے منافی ہے، چہ جائیکہ اپنے عقیدے یا مسلک کو ریاست کا ہی مذہب قرار دلوانے کے لئے عسکریت کا سہارا لینا (دھمکی اور دھونس کے ساتھ یہ بھی کہتے جانا کہ ہمارے دین میں اکراہ اور جبر کو دخل نہیں، منافقت یا خود فریبی کے ضمن میں آتا ہے)۔ گویا کسی شخص کا، روادار، وسیع القلب اور کشادہ نظر ہونا اور اپنے مذہب، مسلک یا مشرب کے 'غیر' کو بھی اپنے سے کم تر خیال نہ کرنا اور اس کے عقیدے یا رسم و رواج کے حوالے سے اس کی دل آزاری نہ کرنا سیکولر ہونا ہے۔ اسی طرح اس استاد نے آخری (چوتھے) سوال کو بھی محض اختتامیے کی فکری زینت خیال کیا کہ پاکستانی اور بھارتی معاشروں کا فرق اب بہت واضح ہو چکا ہے اور یہ بھی کہ بھارت میں تاریخ اور فلسفہ مقیّد یا محبوس نہیں، اس لئے سماجی علوم اور ادبی تنقید میں بھارت کی برتری تو اب تسلیم شدہ ہے، پھر اس موضوع پر ماخذات کی تلاش اور تعیّن میں بھی اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔

گویا، اب بنیادی طور پر دو سوالات (۲ اور ۳) کے جواب کی ضرورت ہے، اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ بنیادی اہمیت کی کتب کو تلاش کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ کسی بھی 'عوامی شاعر' کے مستند دیوان یا کلیات سے بڑھ کر کوئی اور ماخذ بنیادی ماخذ نہیں ہو سکتا، خاص طور پر جب کوئی یہ بھی جانتا ہو کہ اس شاعر نے اپنے حُلیے، پیشے، معمولات اور مشاغل کو خود ہی موضوع بنایا ہے۔ نول کشور پریس لکھنو سے شائع ہونے والے 'کلیاتِ نظیر اکبر آبادی' (مرتب: مولانا عبدالباری آسی) کو مستند خیال کیا جاتا ہے، جس کی تدوینِ نو (۱۹۵۱، گیارھواں ایڈیشن) میں نہ صرف تصحیحِ متن اور تدوین کے محنت طلب کام کی جھلک ہے، بلکہ ایک تفصیلی مقدمہ بھی شامل ہے، اس استاد نے زکریا یونیورسٹی ملتان کی خلیل صدیقی ریسرچ لائبریری میں تو اسے دیکھا تھا (بلکہ سمن آباد لاہور کے ایک چربہ پرور اشاعتی ادارے نے بھی اسے شائع کر دیا ہے) تاہم

اپنی 'خوشہ چینی' کو اس طرح عجلت میں ایک رجسٹر میں نقل کیا گیا تھا کہ اب درست حوالوں یا متن کے لئے کلیات کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت تھی، مگر وہ اوسا کا میں فوری طور پر دستیاب نہیں تھا، تاہم خوش قسمتی سے انٹرنیٹ پر تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ پورے کلیات کا متن مع مقدمہ Allama Iqbal Urdu Cyber Library Network پر موجود ہوا، دوبارہ مطالعے سے اس موضوع سے متعلق داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ یہ چند مفید معلومات بھی حاصل ہوئیں:

(i) نظیر کی شاعری کا ایک مختصر مجموعہ، ان کے کچھ شاگردوں کی جانب سے میرٹھ سے شائع ہوا۔

(ii) کلیاتِ نظیر کی تدوینِ نو کے کام کی تکمیل، عبدالباری آسی کی وفات کے بعد عبدالمومن الفاروقی نے کی، مگر اپنے نام کو بڑھانا، سعادت مندی کے خلاف سمجھا، سو یہ کلیات عبدالباری آسی کا ہی کہلاتا ہے۔ iii) تفصیلی مقدمے میں نہ صرف سوانح، فن اور عہد کے حوالے سے معلومات فراہم کی گئیں، بلکہ یہ ذکر بھی آیا کہ مرزا فرحت اللہ بیگ کو نظام کالج حیدر آباد کے پروفیسر آغا حیدر حسن کے ذاتی ذخیرے سے نظیر کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ ملا (جو ان کے دادا عبدالرحمٰن خان دہلوی کی ملکیت تھا) جو انہوں نے مرتب کر دیا اور جسے انجمنِ ترقی اردو ہند نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ (مرزا فرحت اللہ بیگ کو ہم مزاح نگار کے طور پر جانتے ہیں، بطور مرتب، محقق، نقاد اور مترجم، اردو ادبیات کے طالب علم مرزا کے کاموں سے زیادہ واقف نہیں) iv) نیاز فتح پوری نے 'نگار' کا نظیر نمبر شائع کیا، جو لکھنو سے ۱۹۴۰ میں شائع ہوا جسے ۱۹۶۰ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے دوبارہ شائع کیا،

(کلیاتِ نظیر کے مقدمے میں 'نگار' کے نظیر نمبر کے بہت سے مقالات کے اہم نکات کو بھی اسی طرح شامل کر لیا گیا ہے، جیسے نظیر کے بارے میں اردو تذکروں سے لے کر تاریخ و تنقید کی اہم کتابوں کے اقتباسات بھی جمع کر دیئے گئے ہیں)

ان کے علاوہ نظیر اکبر آبادی کی سوانح اور فن سے متعلق یہ بہت اہم کتابیں ہیں:

۱۔ 'زندگانی بے نظیر، یعنی سوانح عمری نظیر' (محمد عبدالغفور شہباز، لکھنو، ۱۹۰۰) ۲۔ 'نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی) ۳۔ 'نظیر اکبر آبادی: ان کا عہد اور شاعری' (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اردو مرکز، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۷) ۴۔ 'نظیر نامہ'

(محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی، کراچی، ۱۹۷۹، غالباً یہی کتاب اتر پردیش اکادمی لکھنو سے 'روحِ نظیر' کے نام سے ایک برس پہلے۔ ۱۹۷۸ء میں بھی شائع ہوئی، جبکہ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۲ میں شائع ہوئی تھی) ۵۔ 'نظیر اکبر آبادی، انتخاب کلیاتِ نظیر اکبر آبادی مع مقدمہ (مرتب: جلال الدین احمد جعفری، انوار احمدی پریس الہ آباد) ۶۔ 'گلزارِ نظیر' (مرتب: سلیم جعفر، ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد، ۱۹۵۱) ۷۔ 'انتخابِ نظیر اکبر آبادی' (مرتب: رشید حسن خاں، مکتبہ جامعہ دہلی) ۸۔ 'نظیر نامہ (مرتب: شمس الحق عثمانی، دلّی، ۱۹۷۹) ۹۔ 'نظیر شناسی (مرتبین: مرزا اکبر علی بیگ، محمد علی اثر، حیدر آباد، ۱۹۸۸) ۱۰۔ [The Life and Times of Nazir Akbar Abadi by Syed Muhammad Abbas,Vangaurd:1991]

پھر شعرائے اردو کے تذکرے ہیں، جن میں ایک ('گلستانِ بے خزاں' از میر قطب الدین باطن) کے سوا، سبھی میں نظیر کی شخصیت کے لئے، توصیفی کلمات تو ہیں، مگر اس کی شاعری کے بارے میں 'طبقاتی' احساسِ فخر سے سرشار ہو کر کلماتِ تحقیر ہیں، اور محمد حسین آزاد تو کیا، حالی تک نظیر کے فن کے بارے میں تاریخی مغالطے کو توڑنے سے قاصر رہتے ہیں، البتہ ایس، ڈبلیو، فیلن (preface to Hindstani English Dictionary,London 1879) کا حوالہ اہم ہے، جس نے پہلی مرتبہ نظیر کی فنی عظمت کے سلسلے میں 'خواص' کو بھی قائل

کرنے کی کوشش کی۔ آزادی کے بعد، بدیسی آقاؤں سے خفگی یا 'پوسٹ کولونیل اینگر' کے باوجود فیلن کی اس رائے کی صرف تاریخی حیثیت نہیں، بلکہ اس نے نظیر کی شاعرانہ عظمت کی اساس متعین کی ہے: 'حقیقی شاعری کے یورپی معیارِ ادب سے نظیر واحد ہندوستانی شاعر ہے، ستم ظریفی دیکھئے کہ یہاں کے اہلِ ادب اسے سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتے، نظیر واحد شاعر ہے، جس کی شاعری عوام تک پہنچی ہے، اس کی نظمیں گلی کوچوں میں پڑھی اور گائی جاتی ہیں، نظیر فکر و احساس کی ان تمام خصوصیات کا حامل تھا، جن سے جینئس یا غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت امتیاز حاصل کرتی ہے، اس کی نظمیں اس کی سوانح حیات ہیں اور بھرپور انفرادیت رکھتی ہیں' (درج بالا کتاب، ص: viii,ix)، اس سلسلے میں ٹی، ڈبلیو، بیل کی کتاب An Oriental Biographical Dictionary,Calctta,1894 بھی تاریخی اہمیت کی ہے۔

مذکورہ کتب کے علاوہ اردو میں کئی تواریخ ادبِ اردو بھی دستیاب ہیں، مگر ان میں سے نظیر کے حوالے سے درج ذیل بہت مفید ہیں۔ ۱۔ تاریخ ادبِ اردو، جلد سوم (ڈاکٹر جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۲۰۰۶، فصلِ پنجم، دوسرا باب، صفحات: ۱۰۰۳ تا ۱۰۳۲)، ۲۔ 'اردو ادب کی تاریخ' ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک (ڈاکٹر تبسم کاشمیری، سنگِ میل لاہور، ۲۰۰۳، باب نمبر ۱۵، صفحات: ۵۵۱ تا ۵۷۸) ۳۔ 'تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند' اردو ادب (جلد دوم) ۱۷۰۷ تا ۱۸۰۳' (مدیران: سید فیاض محمود، سید وقار عظیم، نظرِ ثانی: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۹، آٹھواں باب، صفحات: ۱۶۴ تا ۱۸۴، مصنف: ڈاکٹر محمد صادق، حواشی: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) اور اگر بھارت اور پاکستان کی جامعات میں ہونے والے اس موضوع سے متعلق مقالات کی فہرست دیکھنا چاہیں، تو ڈاکٹر سہیل عباس کا کتابچہ 'جامعاتی تحقیق' (زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۶) اور اسد فیض کی کتاب اردو تحقیق۔ مسائل و رفتار' (ہم عصر پبلی کیشنز، ملتان ۲۰۰۱) کے مندرجات کے ساتھ ساتھ مختلف جامعات کے سربراہانِ شعبہ اور دیگر مطبوعہ فہرستوں سے حاصل شدہ معلومات کو کسی قدر منظم اور مبسوط انداز میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 'جامعات میں اردو تحقیق' (۲۴۹ صفحات) کے عنوان سے ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد کے تعاون سے ۲۰۰۸ میں جو کتاب شائع کی ہے، اس کے سیریل نمبر ۴۲۳۰ سے ۴۲۴۴ تک (ص: ۱۹۹، ۲۰۰) نظیر سے متعلق جامعات میں سندی تحقیق کے زمرے میں آنے والے ۱۵ مقالات کا ذکر کیا ہے، تاہم اس فہرست میں نظیر لدھیانوی کی شاعری پر پٹیالہ یونیورسٹی سے ایم فل کی سطح پر لکھے جانے والے مقالے کا بھی ذکر ہے، تو یوں گویا مجموعی طور پر ۱۴ تحقیقی (سندی) مقالات لکھے گئے، جن میں ۱۳، بھارت میں جب کہ محض ایک پاکستان میں لکھا گیا، جو ایم فل کی سطح کا تھا، (مقالہ نگار: رانی لبنیٰ ناز، موضوع: نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی' نگران: ڈاکٹر گوہر نوشاہی)، جب کہ ایک مقالے کے لئے معلومات کا ماخذ رسالہ 'قومی زبان' کراچی (۴۔۲۰۰۵) بنایا گیا ہے، جس کی تصدیق کی گنجائش باقی ہے کہ بعض مضمون نگار اپنے منصب اور مقالے کی سطح کے حوالے سے مبالغے سے کام لے سکتے ہیں اور جنابِ جمیل الدین عالی کی طبیعت میں تو ایسے مبالغے کی حوصلہ افزائی کا عمومی رویہ موجود ہے۔ بہر طور بھارت میں جو ۱۲ مقالات لکھے گئے، ان میں دو، ڈی لٹ (محمد سلیمان: 'نظیر کی شاعری میں فطرت اور تہذیب کے عناصر' بابا صاحب بھیم راؤ امبید کر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، ملک زادہ منظور: 'نظیر اکبر آبادی حیات اور شاعری'، دین دیال اپا دھیائے یونیورسٹی گورکھپور) جب کہ نو، پی ایچ۔ ڈی اور ایک ایم۔ فل سطح کے ہیں۔

جہاں تک نظیر کی شخصیت کو بھارت میں ایک سیکولر نشانی کے طور پر ابھارنے کی تہذیبی اور سیاسی ضرورت رہی ہے، وہ تو آزادی سے بھی پہلے (۱۹۳۸) کی ایک تقریب کا ذکر سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی کی کتاب 'نظیر نامہ' میں یوں کیا گیا ہے: ''بسنت پنچمی کے دن، یومِ نظیر منایا گیا اور باجے تاشے کے ساتھ ایک جلوس نکالا گیا جو میاں نظیر کی قبر پر گیا۔'' (ص ۴۸) اور ساتھ ہی ساتھ اسی برس کے ۲۲/ مارچ کے

آگرہ کے ہفتہ وار ایک انگریزی اخبار کے اداریے کا حوالہ بھی دیا گیا، جس میں یہ تک لکھا گیا کہ: ''صرف میاں نظیر ہی وہ کام انجام دے سکے جس میں مہاتما گاندھی، ہنوز ناکام ہیں''۔(ص:۲۹)

نظیر کے سیکولر مزاج کی مظہر شاعری کی مثالیں تلاش کرنے کے لئے کوئی بڑی کاوش نہیں کرنی پڑتی، ایسی مثالیں وافر ہیں:

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں ۔۔۔ جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے میں یا کہ بغل بیچ ہو قرآں ۔۔۔ عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحبِ اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

کوئی خالق، باری، رب، مولا، رحمٰن، رحیم اللہ، تنگری ۔۔۔ کوئی الکھ روپ کرتا رکھے، نرکال، نرنجن، نردھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے، کوئی بولے شیو شیو ہری ہری ۔۔۔ کوئی دانو، دنیت، دیواٹل، کوئی راچھس، دیوت جن پری
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا ۔۔۔ جبے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا ۔۔۔ عابد بھی دعوتوں میں عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دُعا پیٹ کے لیے

میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شیام برن اوتاری کے ۔۔۔ سیکشن کنھیا مرلی دھر، من موہن، کنج بہاری کے
گوپال، منوہر، سانولیا، گھنشیام، اٹل بنواری کے ۔۔۔ نندلال دُلارے سندر چھب، برج چند مکٹ جھلکاری کے
کر دھوم لٹیا دودھ ماکھن رنچھور نول گردھاری کے ۔۔۔ بن کنج پھرتا، راس رچن، سکھ دائی، کانھ مراری کے
ہر آن دکھائے روپ نئے، ہر لیلا نیاری نیاری کے ۔۔۔ پت، لاج رکھیا دُکھ بھنجن، ہر بھگتی، بھگت ادھاری کے
نت ہر بھج، ہر بھج، رے باب، جوہر سے دھیان لگاتے ہیں
جوہر کی آسا رکھتے ہیں، ہر اُن کی آس پچاتے ہیں (۲)

اب اس مرحلے پر ضرورت تھی کہ تذکروں، تواریخِ ادب اور دیگر تنقیدی اور تحقیقی کتب کے ساتھ ساتھ کلیاتِ نظیر سے بھی وہ تمام شہادتیں دریافت کی جائیں، جو، ان کے معلم ہونے کی نشاندہی نہیں تصدیق کرتی ہیں، سو اس استاد نے اپنی ایک جواں ہمت شاگرد (جو اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور کے شعبہ اردو میں پڑھاتی ہیں) سے کہا کہ وہ ایسے شواہد کی فراہمی میں مدد کریں، سو انہوں نے مندرجہ ذیل ۱۰ حوالے، ۸ کتب سے فراہم کر دیئے، جن میں محض ایک ثانوی حوالہ ہے:

> ''بیچارے کی تمام عمر اکبر آباد میں معلّمی کرتے گذری اگر روایت صحیح ہے تو وہ روزانہ صبح بستی تاج محل سے اپنے مریل ٹٹو پر بیٹھ کر آگرہ چلے جاتے تھے، دن بھر لڑکے پڑھاتے تھے، غالباً کھانا مل جاتا ہوگا، شام کو اسی ٹٹو پر گھر لوٹ آتے تھے، مفلسی کا یہ چکر ایسا تھا جس سے غالباً نظیر کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہو۔''

(ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، نظیر اکبرآبادی اُن کا عہد اور شاعری، لاہور: اُردو مرکز گنپت روڈ، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۲۱)

''چوں کہ اُن کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب بے اثناء عشری پڑھائی گئی مگر دو نمازیں ہوئیں جس قدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے انہوں نے الگ اپنا گروہ کر کے نماز پڑھی اور اوپر کی چادر اُن کی پارچہ پارچہ کر کے اہل ہنود لے گئے۔نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے، جلائے کیا کیے۔''

(زندگانی بے نظیر، یعنی سوانح عمری نظیر، از عبدالغفار شہباز، لکھنو، ۱۹۰۰ء، ص ۱۱۸۔)

''معلّمی تو اخیر عمر تک انہوں نے نوکری ہی کی''

(ایضاً، ص ۱۹۵)

''ساری عمر معلّمی کے آزاد پیشے سے وابستہ رہے کچھ عرصے آگرے کے رئیس نواب محمد علی خان کے لڑکوں کو پڑھایا۔''

(تاریخ ادب اُردو، از ڈاکٹر جمیل جالبی، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰۷ء)

''بمعلمی اوقات گزاری می کند و بکشادہ پیشانی ایامِ زندگی بسر می برد''

(ابوالقاسم میر قدرت اللہ قادری، بحوالہ زندگانی بے نظیر)

''بمعلم گری اقامت بسر می برد''

(نواب اعظم الدولہ سرور 'عمدہ منتخبہ' دہلی ۱۹۹۱ء، ص ۷۷۶)

''حلیم اور خلیق اور متواضع اور غریب آدمی تھا لڑکوں کو پڑھایا کرتا تھا۔''

(کریم الدین و فیلن، دہلی، ۱۸۴۸ء، ص ۳۹۴)

''بہ تعلیم صبیان بسر می برد''

(گلشن بے خار، مرتبہ کلب علی خان فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۶۲۳)

'زمانے نے ایسا ستایا کہ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی، پرانی کتابیں پاس تھیں، مدرسی کا پیشہ اختیار کیا'

(عبدالباری آسی: کلیاتِ نظیر (دیباچہ) لکھنو، نولکشور ۱۹۵۱ء ص: ۵۴)

'قلعہ دار مرہٹہ بھاؤ۔۔نے بلایا اور آپ سے پڑھنا شروع کیا، یہاں سے چھٹے تو نواب محمد علی خان جو امرائے آگرہ سے تھے، ان کے بیٹوں کو پڑھانے جانے لگے، یہیں سے لالہ بلاس رائے کھتری سے راہ و رسم ہوگئی، اور (اس نے) اپنے بچوں کو سپردگی میں دیا، آخر عمر میں راجہ بلوان سنگھ، والئی کاشی کی سرکار سے تعلق ہوگیا تھا' (ایضاً)

خود نظیر اکبر آبادی کے اپنے کلام میں جہاں ان کے معلم و مدرس ہونے کی شہادت ملتی ہے، وہاں حیرت انگیز طور پر وہ صاف گوئی ملتی ہے، جس کا عام طور، وہ معلم، متحمل نہیں ہوسکتا، جس کی معاش کارکردگی سے وابستہ ہو، مگر یہاں ہمارا واسطہ مصلحت سوز نظیر سے ہے، وہ 'اعتراف' کرتا ہے کہ وہ معلم ہے، شاعر بھی، (سو) 'بزدل، ترسندہ جاں ہے، پختگی اور خامی کے درمیاں اس کی لکھائی یا خط ہے اور اگر کسی مشکل لفظ کے معنی آتے ہوں تو شاگردوں کو بتانا، وگرنہ سبق کی پڑھائی پر زور دیئے جانا' کیا آئینہ روبرو کر دیا ہے، اس شاعرِ بے مثال نے! کہتے ہیں، جس کو نظیر، سنیے، ٹک اس کا بیاں ۔۔۔تھا وہ معلم غریب، بزدل و ترسندہ جاں

کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی ۔۔۔ آئے تو معنی کہنے، ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے ۔۔۔۔۔۔۔ فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این وآں
لکھنے کی یہ طرز تھی، کچھ جو لکھے تھا کبھی ۔۔۔۔۔۔ پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں
جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے کے سوا ۔۔۔۔ چاہیے کچھ اس سے ہوں، اتنی لیاقت کہاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر ۔۔۔۔۔ عزّت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں

اپنی نظم 'مفلسی' میں نظیر نے غریب غربا کے بچے پڑھانے والے معلموں کا جو ذکر کیا ہے، جن کی مفلسی عمر بھر نہیں جاتی، تو وہ 'آپ بیتی' کا سوز رکھتا ہے۔

اب معلّمی کو نظیر کی آزاد مشربی اور وسیع النظری یا رواداری کا تنہا موجب قرار نہیں دیا جا سکتا، نشاط جوئی اور راگ رنگ سے جو نظیر کی رغبت ہے، اس کی داخلی شہادتوں سے کلیاتِ نظیر بھرا پڑا ہے اور بلاشبہ ہندوؤں کے تہوار نظیر ایسے تخلیقی مزاج کو زیادہ مرغوب ہو سکتے ہیں، اس لئے نہ صرف وہ کرشن کنہیا پر والہانہ انداز میں لکھتے ہیں، بلکہ ان کی ریت نبھانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے کہ مذہبی تفرقہ بڑھانے والے عناصر کے تجارتی مفادات بھی ہو سکتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول ۔۔۔۔۔ جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لئے

۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا ۔۔۔۔ یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

احساسِ فنا نے بھی نظیر کو تفرقہ بازی کے کاروبار سے بالاتر کر دیا ہے، اس احساس میں ان کا نشاط جوئی کا رویہ بھی سمجھا جا سکتا ہے اور انسانیت کو مقدم جاننے کا سبق بھی:

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی ۔۔۔ آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی ۔۔۔۔۔ کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل، فرد نہ ایہام رہے گا ۔۔۔۔۔ آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بظاہر اس مضمون یا عملی درس کو یہاں ختم ہو جانا چاہیئے، مگر اردو شاعری میں تحقیق و تنقید کا شغف رکھنے والے طالب علموں کے لئے کلیاتِ نظیر میں کئی اور بلیغ اشارے ہیں، ظفر اقبال کے شوخ لسانی اجتہادات کا سرچشمہ یہ کلیات دکھائی دیتا ہے، جس میں سے یہ اشعار دیکھئے:

رات ہوئے تھے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا ۔۔۔۔ پیتے تھے مے بسا بسا پھولوں میں ہم بسا بسا
شوخ بغل میں چاند سا دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا ۔۔۔۔ زُلفوں میں اس کی دل پھنسا، آن و ادا میں جی بسا
جامہ بدن میں چس چسا، پھول ہوا تھا بس بسا ۔۔۔۔ نیندوں میں یار رسمسا، لے تھا جمائی کسمسا
اس میں رقیب کر کسا کر کے سحر کا وسوسا ۔۔۔۔۔ لا کے نقارہ یا دہل دھوں دھوں بجایا کس کسا

۔۔۔۔۔۔۔

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آ کے کھلنتا ۔۔۔ اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا

ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا ۔۔۔اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتیا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ آرا بھی تحقیق کے طالب علموں کو مزید تحقیق (تحقیقی مقالات) پر اکساتے ہیں:

(i) ’نظیر دراصل اسی ہندی روایت کی شمع روشن کرتے ہیں، جس کا براہِ راست رشتہ مولود ناموں، چکی ناموں وغیرہ کی ہندوی روایت سے ہے‘ (تاریخِ ادبِ اردو، جلد سوم، مجلس، ترقی ادب لاہور جون ۲۰۰۶، ص:۱۰۰۴)

(ii) ’غالب نے جو پہلی نظم ۱۸۱۲ء میں (دیوانِ غالب کامل مرتبہ کالی داس گپتا) مثنوی کی ہیئت میں پتنگ بازی پر لکھی، اس پر نظیر کا واضح اثر واضح ہے‘ (ایضاً، ص۱۰۰۴)

(iii) ’نظیر نے جتنے الفاظ استعمال کئے ہیں، اتنے الفاظ کسی اردو شاعر حتیٰ کہ میر انیس نے بھی استعمال نہیں کئے، انہوں نے سینکڑوں الفاظ اپنے گردو پیش کی زبانوں اور بولیوں سے لے کر اردو زبان میں ایسے ٹانک دیئے ہیں کہ وہ آج زبان کا حصہ بن گئے ہیں‘ (ایضاً، ص:۱۰۱۸)

خاص طور پر اردو، ہندی لسانی تفریق، اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں آگرہ اور گردونواح میں عوام اور خواص کی اظہاری سہولتوں میں ترجیحات کے امتیاز، ملتانی، پنجابی اور پوربی کے اردو کے ساتھ اشتراک اور امتیاز پر کام سے دل چسپی رکھنے والے لسانیات اور سماجی علوم کے طالب علموں کے لئے بھی کلیاتِ نظیر کا غائر مطالعہ دل چسپی کا حامل ہوسکتا ہے۔